1980 کے بعد اردو ناول: ایک تاریخی جائزہ

رام پرساد مینا

شعبۂ اردو، دہلی یونیورسٹی، دہلی، موبائل:9968776259

اردو ناول نگاری کا آغاز تو ڈپٹی نذیر احمد کے اصلاحی ناولوں سے ہوا، لیکن یہ ناول کے فن کی کسوٹی پر کھرے نہیں اُترتے، لیکن مولوی نذیر احمد کے بعد کی نسل نے اس فن کو نئی بلندیوں سے آشنا کرایا۔ جن میں پنڈت رتن ناتھ سرشار، عبدالحلیم شرر اور مرزا ہادی رسوا کے نام قابل ذکر ہیں۔ اس کے بعد اردو فکشن میں ایک ایسا تخلیق کار پیدا ہوا جس نے اردو نثر کی تاریخ میں نئے ذہن کی ابتدا کی، اس شخصیت کا نام ہے پریم چند۔ اُنھوں نے افسانے کے ساتھ ناول کو بھی اپنی جولاں گاہِ اظہار بنایا اور بارہ ناولیں لکھ کر اردو ناول کے سرمایے میں غیر معمولی اضافہ کیا۔ اُنھوں نے موضوع اور زبان و اسلوب کے اعتبار سے ناول کو نئی رفعتوں تک پہنچایا۔ ویسے تو ان کا ہر ناول فن کی معراج قرار دیا جاسکتا ہے، لیکن ''گئودان'' اردو ادب کا ایسا شاہکار ناول ہے جو اپنا منفرد مقام رکھتا ہے۔ اردو ناول نگاری کی تاریخ میں پریم چند کے بعد تو ناول نگاروں کی ایک کہکشاں سی نظر آتی ہے۔ ان میں چند اہم ناول نگار اور ان کے کچھ ناول اس طرح سے ہیں۔ مثلاً سجاد ظہیر ''لندن کی ایک رات''، کرشن چندر نے 'شکست' 'جب کھیت جاگے' طوفان اور کلیاں' 'عصمت، ضدی' 'معصومہ' 'ٹیڑھی لکیر' 'دل کی دنیا' 'ایک قطرہ خون' راجندر سنگھ بیدی ''ایک چادر میلی سی''، قرۃ العین حیدر نے 'میرے بھی صنم خانے' 'آگ کا دریا' 'کارِ جہاں دراز ہے' 'آخرِ شب کے ہم سفر' 'چاندنی بیگم' عزیز احمد نے 'ایسی بلندی ایسی پستی' اور 'گریز'، خواجہ احمد عباس نے 'انقلاب'، شوکت صدیقی نے 'خدا کی بستی'، خدیجہ مستور نے 'آنگن'، عبداللہ حسین نے 'اداس نسلیں'، قاضی عبدالستار نے 'دارا شکوہ' 'شب گزیدہ' حیات اللہ انصاری ''لہو پھول'' جیلانی بانو نے 'ایوانِ غزل' جوگندر پال نے 'ایک بوند لہو کی'، اقبال متین نے 'چراغِ تہہِ داماں' جیسے غیر معمولی اور شاہکار ناول لکھ کر اردو ناول کو اس قابل بنا دیا کہ اسے دنیا کی دوسری زبانوں کے ادب کے مقابلے میں رکھا جا سکے۔ ان ناولوں میں انسانی نفسیات کے گہرے مطالعے اور فلسفیانہ مسائل کے ساتھ ساتھ ہماری تہذیبی، سیاسی، سماجی اور معاشی زندگی کے گوناگوں پہلوؤں کو بڑی فنکاری کے ساتھ پیش کیا گیا ہے۔ ایسے ناولوں کی موجودگی اردو ادب کی ثروت مندی کی دلیل ہے۔ ان ناولوں میں اسلوب و اظہار کے نت نئے پہلو بھی ابھر کر سامنے آئے جس سے یہ ناول فکری گہرائیوں کے ساتھ فنی عظمت سے بھی متصف ہو سکے۔

۱۹۳۰ء سے ۱۹۵۴ء تک اردو ادب کی ہر صنف ترقی پسند تحریک سے متاثر رہی۔ ایسی صورت حال میں ظاہر ہے ناول کا متاثر ہونا بھی لازمی تھا۔ ۱۹۵۴ء کے آس پاس جب ترقی پسندی کا زور کم ہونے لگا تو جدیدیت اپنے قدم جمانے لگی اور ۱۹۶۰ء میں جدیدیت کا باقاعدہ آغاز ہو گیا۔ اس کے بعد کا ادب جدیدیت سے خاص طور پر متاثر نظر آتا ہے۔ خصوصاً شاعری اور افسانے پر اس کے گہرے اثرات مرتب ہوئے۔ افسانوں میں علامتی اور تجریدی افسانوں نے زور پکڑا۔ اس دوران چند ناول بھی جدیدیت کے زیر اثر لکھے گئے، لیکن ان کی تعداد بہت کم ہے۔ اس کے بعد جلد ہی ناول اس تجریدیت اور علامتیت کے دائرے سے باہر نکل آیا اور پھر سے پلاٹ اور کہانی کی بحالی ہوئی۔ ۱۹۷۰ء کے بعد ناول نے پھر سے اپنی پرانی روش اختیار کی اور اس عہد کے مسائل سے روبرو ہوتے ہوئے متعدد ناول سامنے آئے جن میں ترسیل و ابلاغ کے وہ مسائل نہیں تھے جو جدیدیت سے متاثرہ ناولوں کا طرۂ امتیاز تصور کیے جاتے تھے اور نہ ہی ان میں کسی خاص تحریک سے وابستگی کی کوشش نظر آتی ہے۔ بلکہ یہ ناول فنکار کی اپنی ذات اور اپنے شعور کی روشنی میں لکھے جا رہے تھے۔ اگرچہ کچھ ایسے ناول نگاروں نے بھی اس دور میں ناول لکھے جو جدیدیت سے متاثر تھے اور اس کی تبلیغ میں پیش پیش تھے۔ نئی نسل کے ناولوں میں اپنے عہد کے مسائل کو موضوع بنایا گیا ہے اور معاشرے میں پائی جانے والی بے راہ روی اور سیاسی و سماجی استحصال اور انفرادی مسائل کو انفرادی نقطۂ نظر کی روشنی میں اجاگر کیا گیا۔ ایسے ناول نگاروں میں عبد الصمد، انور خان، حسین الحق، صلاح الدین پرویز، علی امام نقوی، سید محمد اشرف، الیاس احمد گدی، مشرف عالم ذوقی، غضنفر، سلیم شہزاد، پیغام آفاقی،

شموئل احمد، شفق، احمد عثمانی، نورالحسنین، احمد صغیر، ترنم ریاض، اختر آزاد، شمس الرحمان فاروقی، شائستہ فاخری، رحمان عباس،، قمر جمالی، ڈاکٹر سلیم خان وغیرہ شامل ہیں۔

ناول نگاری کی تاریخ کے اس سرسری ذکر کے بعد اصل موضوع یعنی ۱۹۸۰ء کے بعد اردو ناول نگاری کی طرف رخ کرتے ہیں۔ ۱۹۸۰ء کے بعد لکھے گئے ناولوں کی طویل فہرست مرتب کی جاسکتی ہے، لیکن طوالت کے خوف سے یہاں چند اہم اور شاہکار ناولوں کا ہی ذکر ممکن ہے۔ اس زمرے میں سب سے پہلے عبدالصمد کے ناولوں کا نام آتا ہے۔ اُنھوں نے تقسیم کے بعد مسلمانوں کے مسائل اور ان کی بدحالی اور کسمپرسی اور ان کی وفاداری پر کھڑے کیے جانے سوالات کو موضوع بنا کر ۱۹۸۸ء میں 'دوگز زمین' کے نام سے بہت اہم اور پر تاثیر ناول لکھا۔ اس ناول کی مقبولیت کو مدنظر رکھتے ہوئے اسے ساہتیہ اکادمی ایوارڈ سے نواز گیا۔ اس کے علاوہ انھوں نے 'دھمک' مہاتما اور 'شکست کی آواز' کے نام سے ناول لکھ کر اپنی پہچان کو مزید اجاگر کیا ہے۔ انور خان نے 'پھول جیسے لوگ' (۱۹۸۹ء) میں تکنیک اور اسلوب کے نئے تجربے کیے اور شعور کی رو کو برتا۔ حسین الحق نے 'بولومت چپ رہو' میں آزادی کے بعد ہمارے تعلیمی نظام کی بدانتظامی اور رشوت سے پردہ اٹھاتے ہوئے ان اسباب پر روشنی ڈالی ہے جن کے سبب دبے کچلے سماج کے نوجوان نکسلی تحریک چلانے پر مجبور ہوئے۔ اپنے دوسرے ناول 'فرات ۱۹۹۲ء میں حسین الحق جزیشن گیپ، بدلتے معاشرے کی اقداری صورت حال کے بیان کے ساتھ ساتھ اپنے عہد کی سفاکیوں اور فرقہ وارانہ سیاست کے نتیجے میں اقلیتوں کے تحفظ وجود جیسے سنگین مسائل بھی اٹھائے گئے ہیں۔ صلاح الدین پرویز نے اردو ناولوں کو ایک الگ ہی رنگ ونکہت سے آشنا کیا، ان کے ناول اسلوب اور موضوع دونوں اعتبار سے عام ناولوں سے الگ نظر آتے ہیں۔ انھوں نے نمرتا، سارے دن کا تھکا ہوا پرش، ایک دن بیت گیا، آئڈنٹیٹی کارڈ، دی وار جرنلس، اور ایک ہزار دوراتیں، جیسے ناول لکھ کر اپنی الگ شناخت بنائی۔ ان کی ناول نگاری پر روشنی ڈالتے ہوئے محمود ہاشمی لکھتے ہیں:

> ''پرویز نے اپنے ناولوں میں بھی یکسر نئے جہانِ معنی کو نئی ہمہ جہت شخصیت کو اور ایسے کرداروں کو تخلیق کیا ہے جو زمان ومکان کی قیود سے ماورا ہیں اور انسانی تہذیب کے ہزاروں برسوں پر محیط عروج وزوال کی داستان سناتے ہیں۔''

علی امام نقوی نے ممبئی شہر میں گھروں میں کام کرنے والے راماؤں اور بائیوں کی زندگی کو موضوع بنا کر ''تین بتی کے راما'' ۱۹۹۱ء لکھا۔ اس ناول میں ان کرداروں کی ذہنی اور نفسیاتی پیچیدگیوں کو سلجھانے کی کوشش کی ہے۔ انھوں نے اپنے دوسرے ناول 'بساط میں' کشمیر کے سیاسی حالات اور وہاں کے عوام کے مسائل کو موضوع بحث بنایا ہے۔ سید محمد اشرف نے ایک نیا انداز اختیار کیا۔ انھوں نے اپنے ناول 'نمبردار کا نیلا' جو ۱۹۹۷ء میں لکھا گیا، اس میں جانوروں کو میڈیم بنا کر انسانی نفسیات سے پردے اٹھانے کا کام لیا ہے۔ الیاس احمد گدی نے ۱۹۹۴ء میں ''فائر ایریا'' لکھ کر کوئلہ فیکٹری میں کام کرنے والے مزدوروں پر کیے جانے والے استحصال اور ان کے مسائل کو موضوع بنایا۔ یہ ناول اس عہد کے نمائندہ ناولوں میں شمار ہوتا ہے۔ اس کی وجہ سے گدی صاحب کو ساہتیہ اکادمی ایوارڈ سے بھی نوازا گیا۔ اسی عہد میں مشرف عالم ذوقی نے پوکے مان کی دنیا' (۲۰۰۴ء) لے سانس بھی آہستہ (۲۰۱۱ء) اور آتش رفتہ کا سراغ (۲۰۱۳ء) وغیرہ ناول لکھ کر اپنی پہچان بنانے میں کامیابی حاصل کی ہے۔ وہ اپنے ناولوں میں سیاسی اور سماجی مسائل کو پیش کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ اس حوالے سے ان کا اہم ''پوکے مان کی دنیا'' ہے۔ اس میں اُنھوں نے میڈیا اور سیاست کے بدنما چہرے کو دکھانے کی پرزور طریقے سے کوشش کی ہے۔ اُنھوں نے اپنے دوسرے ناول ''لے سانس بھی آہستہ'' میں ایک خاص قوم کے ساتھ روا رکھے جانے والے غیر منصفانہ اور غیر انسانی رویے کو پیش کیا ہے۔

غضنفر بھی بحیثیت ناول نگار مشہور ہیں۔ انھوں نے اردو ادب کو کئی اہم ناول دیے ہیں۔ مثلاً پانی (۱۹۸۹ء)، کینچلی (۱۹۹۲ء) دویہ بانی (۲۰۰۰ء)، فسوں (۲۰۰۳ء)، وش منتھن (۲۰۰۴ء)، شوراب (۲۰۰۸ء) اور مانجھی (۲۰۱۱ء) جیسے ناول لکھے۔ غضنفر نے اپنے ناولوں میں اپنے عہد کے گوناگوں مسائل کو بڑے اختصار اور جامعیت کے ساتھ پیش کیا ہے۔ ان کے ناول ضخامت میں کم ہوتے ہیں، مگر اپنی بات مکمل طور پر بیان کرنے میں کامیاب رہتے ہیں۔ سلیم شہزاد پہلے ویرگا تھا لکھ چکے تھے۔ اب انھوں نے 'سانپ اور سیڑھیاں' (۲۰۱۰ء) کے نام سے نیا ناول پیش کیا ہے۔ اس میں فرقہ پرستی کے اس کھیل سے نقاب اٹھایا ہے جسے سیاسی پارٹیاں اپنے مفاد کے لیے کھیلتی ہیں۔ جس سے سماج میں منافرت اور تشدد کی وہ صورت حال پیدا ہوگئی ہے کہ ہمارا سیکولر نظام ہی خطرے میں پڑتا جا رہا ہے۔ پیغام آفاقی نے اپنے دو ناولوں 'مکان' (۱۹۸۹ء) اور 'پلیتہ' (۲۰۱۰ء) سے اپنی پہچان بنائی۔ یہ ناول اسلوب اور موضوع دونوں اعتبار سے اہم ہیں۔ شموئل احمد نے 'ندی' (۱۹۹۳ء) مہاماری (۲۰۰۳ء)

جیسے بلند پایہ ناول تخلیق کیے۔ندی میں عورت کی زندگی ،اس کے مسائل اوراس کی نفسیاتی پیچیدگیوں کوموضوعِ بحث بنایا گیا ہے۔مہاماری بہار کی سیاسی ،سماجی اور معاشی زندگی کو مرکز بنا کر لکھ گیا ہے۔شفق جو ایک افسانہ نگار کی حیثیت سے بھی مشہور ہیں،لیکن اُنھوں نے اپنے ناولوں کے ذریعے بھی اپنی ایک شناخت قائم کی ہے۔انھوں نے کانچ کا بازی گر (۱۹۸۲ء)،بادل(۲۰۰۲ء)اور کابوس(۲۰۰۳ء) کے نام سے تین ناول سپردِ قلم کیے۔ان میں بادل زیادہ اہم تسلیم کیا جاتا ہے۔ اس میں ہندوستان میں بڑھتی مذہبی کٹرتا اور اور غیر روادارانہ سوچ کو شدت سے ہدف بنایا ہے اورامریکہ کے سامراجی عزائم کوطشت از بام کیا ہے۔احمد عثمانی نے مہاراشٹر میں غریبی کی سطح سے نیچے زندگی گزارنے والے لوگوں کے مسائل پر مبنی ناول 'زندگی تیرے لیے' لکھ کر اپنی جگہ بنائی۔نورالحسنین نے اہنکار اور ایوانوں کے خوابیدہ چراغ لکھے۔اہنکار موجودہ مادہ پرست زندگی پر محیط ناول ہے تو ایوانوں کے خوابیدہ چراغ ایک تاریخی ناول ہے جو ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی کے واقعات وحادثات پر مبنی ہے۔ڈاکٹر صغیر احمد نے گجرات کے خونی فسادات پر مبنی 'دروازہ ابھی بند ہے' کے نام سے ناول لکھ کر موجودہ فرقہ وارانہ سیاست کے چہرے کے بدنما داغ دکھائے ہیں۔خواتین ناول نگاروں میں ترنم ریاض ایک اہم نام ہے۔انھوں نے افسانہ نگاری کے ساتھ ناول نگاری میں بھی اپنے قلم کے جوہر دکھائے ہیں۔انھوں نے ازدواجی زندگی کے مسائل اوراس کی پیچیدگیوں کوموضوع بنا کر 'مورتی' کے نام سے اور کشمیر کے پس منظر میں 'برف آشنا پرندے لکھ کر جدید ناول نگاری کی تاریخ میں اپنی جگہ متعین کی۔اختر آزاد نے ٹی وی چینلوں پر ڈانس اور میوزک کے ریلٹی شوز میں بچوں کی شمولیت اور ماں باپ کی اس جگماتی زندگی پر فریفتگی اوراس کے نتیجے میں اپنے بچوں کی تعلیم کو داؤ پر لگا دینے کے رویے کو ہدفِ طنز بناتے ہوئے 'لمینٹیڈ گرل' (۲۰۱۳ء) کے نام سے ناول لکھا جو بالکل نئے موضوع پر مبنی ناول ہے۔ شمس الرحمان فاروقی نے انیسویں صدی کی تہذیب اور معاشرت پر مبنی 'تہذیبی ناول' کئی چاند تھے سرِ آسماں (۲۰۰۶ء) لکھ کر اردو ناول کو نئی بلندیوں سے آشنا کیا۔یہ اردو کا ایک شاہ کار ناول ہے جو بہت زیادہ موضوعِ بحث رہا ہے۔اس میں جس انیسویں صدی کی تہذیب ومعاشرت کی تفصیلات بیان کی گئی ہیں۔اس کی دوسری مثال نہیں پیش کی جاسکتی۔

شائستہ فاخری نے 'نادیدہ بہاروں کے نشاں کے نام سے (۲۰۱۳ء) میں ایک بہترین ناول تخلیق کیا۔اس میں طلاق کے بعد حلالہ کوموضوعِ بحث بنایا اور ایک باعصمت عورت کی نفسیاتی صورتِ حال کو اجاگر کیا۔انھوں نے اپنے دوسرے ناول 'صدائے عندلیب برشاخ شب (۲۰۱۴ء) میں بھی عورت ہی کو اپنا موضوع بنایا ہے جس میں ان کے جنسی استحصال اور معاشرے میں ان پر روا رکھے جانے والے ظلم وستم سے پردہ اٹھایا ہے۔ان کے علاوہ اپنے عہد کے گوناگوں مسائل کو بیان کرتے ہوئے رحمان عباس نے بھی کئی ناول لکھے ہیں۔ وہ نخلستان کی تلاش (۲۰۰۴ء)، ایک ممنوعہ محبت کی کہانی (۲۰۰۹ء) اور خدا کے سائے میں آنکھ مچولی (۲۰۱۱ء) جیسے ناول لکھ کر جدید ناول نگاروں میں اپنے آپ کو جگہ دلوانے میں کامیاب رہے ہیں۔قمر جمالی نے بھی ناول نگاری کی تاریخ میں اپنا نام درج کروانے کے لئے ایک اچھا ناول لکھا ہے جس کا نام 'آتش دان میں' ہے۔اس میں اُنھوں نے پانی کے مسئلے کو اٹھایا ہے۔ ڈاکٹر سلیم خان اپنے ناول 'ہم زد جیتو جلاد' میں پہاڑی علاقوں میں بسنے والے آدی واسیوں کی زندگی کے مسائل پر روشنی ڈالی ہے،جس میں غربت کی سطح سے نیچے زندگی گزارنے والے لوگوں پر کیے جانے والے مظالم کو بڑی شدت کے ساتھ بیان کیا ہے۔

اس طرح ہم دیکھتے ہیں کہ ۱۹۸۰ء کے بعد جو ناول لکھے گئے وہ گوناگوں موضوعات پر مبنی ہیں۔ان میں کچھ ناول اپنے عہد کے سیاسی اور سماجی مسائل کو اُجاگر کرتے ہیں اور کچھ انسان کے ذات اور انفرادی مسائل کوموضوعِ بحث بناتے ہیں۔بعض ایسے ناول بھی لکھے گئے جو تاریخی وتہذیبی پس منظر کو پیش کرتے ہیں۔بعض ناول نگاروں نے اپنی تخلیقات کے ذریعے نفسیاتی پیچیدگیوں کو سلجھانے کی کوشش بھی کی ہے۔صرف یہی نہیں ان ناولوں میں ان مسائل کو پیش کیا گیا بلکہ زبان وبیان اور اسلوب کی سطح پر بھی یہ ناول رنگارنگی کے حامل ہیں۔۱۹۸۰ء کے بعد لکھے گئے ناولوں کی سب سے بڑی خصوصیت یہ ہے کہ ان ناولوں کو کسی ایک مخصوص نظریے کے تحت نہیں لکھا گیا ہے۔ان کو کسی نظریے کے پابند ناول نہیں قرار دیا جاسکتا۔اس عہد میں لکھے گئے ناولوں کی اہمیت اس لحاظ سے بھی ہے کیونکہ عام طور پر ان میں جو اسلوب بیان اختیار کیا گیا ہے وہ واضح اور صاف وشفاف ہے۔۱۹۸۰ء کے بعد لکھے گئے ان ناولوں کی بحث سے عیاں ہوجاتا ہے کہ اس عہد کے ناول جدید تر سماجی، سیاسی، معاشی، سائنسی اور اقتصادی زندگی کے تمام تر مسائل کو اپنے دامن میں سموئے ہوئے ہیں۔ہنوز ناول نگاری کا یہ سلسلہ جاری ہے اور قرین قیاس ہے کہ آنے والا عہد بھی اردو ناول نگاری کے لئے کافی تابناک ہوگا۔اُمید کی جاتی ہے کہ ناول آنے والی زندگی میں رونما ہونے والے مسائل کو بھی خوبی کے ساتھ اپنے دامن میں جگہ دیتا رہے گا۔ ○○